رواداری کی معاشرتی اہمیت اور تقاضے
سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ

The Social Importance and Requirements of Tolerance Analytical Study in the Light of the Prophet's (PBUH) Life

Dr. Abbas Ali Raza
Assistant Prof. Faculty of Social Sciences, Department of Islamic Studies
Lahore Garrison University, Lahore
Email: abbasaliraza@lgu.edu.pk
Hafiza Urwa Ismail
Lecturer Islamic Studies
Govt Graduate College W Gulshan Colony, Faisalabad
Email: stonepreety000@gmail.com
Dr. Qazi Abdul Manan
Assistant Prof. Department of Islamic Studies
Qurtuba University of Science & IT Peshawar
Email: dr.manan@qurtuba.edu.pk

ABSTRACT
Tolerance is one of the highest moral values, which are essential for the survival of the society and its stability. Without tolerance, peace and tranquility disappear from the society. Like other religions of the world, Islam also demands tolerance from its followers. Islamic society can achieve rise and development. The entire life of the Holy Prophet (PBUH) is an excellent and shining example of tolerance. He (peace be upon him) forgave even his mortal enemies. Today we need again to make use of good character and remember this forgotten lesson of tolerance so that again such a bright morning will dawn that will make our lives happy.

Keywords: Tolerance, Moral, Society, Stability, Religion, Tranquility

پروردگارِ عالم نے اس کائنات رنگ و بُو میں بے شمار نعمتوں کو پیدا فرمایا۔ رنگارنگ پھلوں اور پھولوں سے مزین فرمایا۔ اور پھر اس کائناتِ ارضی کو حضرتِ انسان کے تصرف میں دے دیا۔ اس پر مستزاد کہ عقل و فہم کی قوت سے مالامال فرما کر تسخیرِ کائنات کی طاقت بھی عطا فرمادی۔ یوں رب تعالیٰ نے انسان کو قوتِ تسخیر کی کنجی عطا فرما کر انسان کو اشرف المخلوقات کا منصبِ جلیلہ عطا فرمادیا۔ اور بدلے میں ابن آدم سے کہا کہ فقط میری عبادت کر اور میری مخلوق سے حُسنِ معاشرت کر۔ گویا رب تعالیٰ عملاً یہ فرمارہا ہے کہ اے انسان اس کائناتِ ارضی اور اس کی لامحدود وسعتوں سمیت سب کچھ تیرے لیے ہے اور تو میرے لیے ہے۔ یعنی اے انسان سب کچھ تیرا مطیع بنادیا اور

تو میرا مطیع و فرماں بردار ہو جا۔ اور میری بندگی میں لگ جا۔ رب تعالیٰ نے حضرت انسان پر جو عنایتیں اور نوازشیں فرمائی ہیں اگر ان کو گننا بھی چاہیں تو ان کا شمار ممکن نہیں اور پھر فہم و فراست جیسی نعمت عطا کر کے زمین کی گہرائیوں اور آسمان کی وسعتوں میں پنہاں خزانوں تک رسائی عطا فرما دی۔ اور شکرانے کے طور پر فقط یہ کہا کہ میرا شکر گزار بندہ ہو جا۔ اور لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم فرمایا۔ اور لوگوں کو اپنا کنبہ قرار دیا۔ یعنی خالقِ کائنات نے اپنی مخلوق کے ساتھ حُسنِ سلوک کو ایمان کی کاملیت کا ذریعہ بنا دیا۔ اور یہی تعلیمات نبی رحمت ﷺ کی ساری حیاتِ طیبہ میں سے عیاں ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

قرآن و سنت میں جابجا حُسن سلوک اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترغیب دی گئی ہے۔ انھی اعلیٰ ترین اخلاقی اقدار میں سے ایک رواداری بھی ہے۔ رواداری معاشرے میں امن اور سکون کا باعث ہے۔ کیونکہ معاشرے میں ہمہ قسم کے افکار و نظریات کے حامل لوگ رہ رہے ہوتے ہیں۔ تو جب تک باہمی احترام اور ایک دوسرے کے نظریات اور ان کی آراء کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ نہیں ہو گا تب تک معاشرے میں امن و آشتی کو فروغ نہیں حاصل ہو سکتا۔ قرآن مجید نے اس بارے میں نہایت وضاحت و صراحت کے ساتھ اس معاملہ میں ہمیں رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَ لِيَ دِيْنِ۝۶ [1]

"آپ کے لیے آپ کا دین معتبر اور ہمارے لیے صرف ہمارا دین ہی کفایت کرنے والا ہے۔"

قرآن مجید کس قدر واضح اور خوبصورت انداز میں معاشرے میں رہنے کا رہنما اُصول بیان فرما رہا ہے کہ آپس میں لڑنے یا جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ کا دین آپ کو مبارک ہو۔ یعنی بالفاظِ دیگر یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ اپنے دین پر عمل پیرا ہونے کے لیے آزاد ہیں۔ اور ہمیں اپنے دین کے معاملے میں آزادی ہے۔ قرآن مجید کا یہ رہنما اُصول زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی فرماتا ہے۔ چاہے وہ مذہبی معاملہ ہو یا سیاسی افکار کا معاملہ ہر قسم کے افکار و نظریات کے معاشرے میں رہنے کا یہی اُصول ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے نظریات کا احترام کیا جائے مگر بدقسمتی سے آج ہمارا معاشرہ رواداری جیسی اخلاقی قدر سے خالی ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ تباہی کے دہانے پر ہے۔ لوگ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو کر سنگین جرائم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں رواداری کو فروغ دیا جائے تا کہ معاشرہ پھر سے امن کا گہوارہ بن جائے۔

رواداری کا اصطلاحی معنیٰ و مفہوم

رواداری بنیادی طور پر فارسی زبان کا لفظ ہے [2] جس کا معنیٰ ہے کسی بات کی رعایت کرنا۔ یعنی رو رعایت برتنا۔ اسی طرح کسی معاملے میں برداشت اور قبول کرنا۔ یہ سب رواداری کے معنیٰ پر محمول ہیں۔ لفظ رواداری اب اُردو زبان میں بھی مستعمل ہے۔ اصطلاحی طور پر رواداری سے مراد دوسروں کے دینی و مذہبی یا کسی بھی قسم کے معاملات

میں فراخ دلی اور وسیع القلبی کا مظاہرہ کرنا۔ دوسرے شخص کے نقطۂ نظر کو برداشت کرنا یہ رواداری کہلاتا ہے۔ رواداری کے متعلق سائرہ نعیم لکھتی ہیں کہ رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اشخاص جن کے نظریات یا عقائد ہمارے مطابق درست نہیں ہیں۔ ان کو برداشت کرنا اور ان کے عقائد و نظریات کا لحاظ کرنا مزید یہ کہ ان پر ایسی تنقید سے پرہیز کرنا جو ان کے لیے رنج اور دُکھ پہنچانے کا سبب ہو۔ یا انھیں اُن کے عقائد و نظریات سے زبردستی منحرف کرنے کے لیے کسی بھی قسم کے طریقے سے اجتناب کرنا رواداری کہلاتا ہے۔[3] یعنی دوسروں کے عقائد و نظریات کا احترام اور معاشرے میں پُرامن بقائے باہمی کے فروغ کے لیے دوسروں کے افکار و خیالات اور نظریات کو برداشت کرنا رواداری کہلاتا ہے۔ رواداری کے لیے عربی زبان میں لفظ "التسامح" ہے۔ جس کا معنی ہے دوسروں کی غلطیوں پر ان سے درگزر کرنا یا دوسروں کو برداشت کرنا۔ جس طرح فارسی و اُردو میں لفظ رواداری بطور اصطلاح مستعمل ہے اسی طرح عربی زبان میں بھی "التسامح" ایک اصطلاح ہے جو کہ رواداری کے معنی و مفہوم کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ جیسا کہ مجلّہ قضایا اسلامی میں تسامح کی ایک جامع تعریف ذکر کی گئی ہے۔

"موقف ايجابي متفهم من العقائد و الافكار يسمح بتعايش الرؤي والاتجاهات المختلفة بعيدًا عن الاحتراب والاقصاء، علي اساس شرعية الآخر المختلف دينياً سياسياً و حرية التعبير."[4]

"عقائد اور خیالات و نظریات کے متعلق ایک مثبت اور افہام و تفہیم کی وہ پوزیشن جو مذہبی و سیاسی طور پر دوسرے شخص کے افکار و خیالات اور نظریات کو تحفظ فراہم کرتی ہو نہ صرف اخلاقی بلکہ قانون طور پر بھی۔ اور ہر شخص کو آزادی اظہار کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ جنگ و جدل سے دور لے جانے والی اور آپس میں پُرامن اور بقائے باہمی کے رجحانات پر مبنی ہو۔"

مذکورہ بالا تعریف کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاشرے میں عقائد و نظریات اور پھر ان عقائد و نظریات کی درست تفہیم کے متعلق ایک مثبت پوزیشن جو کہ معاشرے میں موجود تمام اشخاص کو تحفظ فراہم کرنے والی ہو۔ اور ہر شخص کو اپنے افکار و خیالات یا عقائد و نظریات کے متعلق اظہار کی آزادی بھی دیتی ہو اسی طرح مختلف النوع معاشرے کو جنگ و جدل سے بچا کر امن و آشتی فراہم کرنے والی ہو۔ تاکہ معاشرہ حالت امن میں رہ کر مزید ترقی و عروج حاصل کرے۔ یقیناً کسی بھی معاشرے کی بقا کا راز آپس میں رواداری اور برداشت کے فروغ میں مضمر ہے۔ جس معاشرے میں جس قدر زیادہ رواداری اور برداشت ہوگی وہ معاشرہ اسی قدر ترقی یافتہ اور مستحکم ہوگا۔ مگر جو معاشرے رواداری اور برداشت جیسے عناصر سے خالی ہوتے ہیں وہ جنگ و جدل اور فسادات کے سبب ترقی نہیں کر پاتے۔ بلکہ تنزلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بالآخر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتے ہیں۔ رواداری نہ صرف مذہبی، دینی

معاملات میں ہونی چاہیے بلکہ ہر معاملے اور ہر قسم کے شعبہ زندگی میں اس کو فوقیت حاصل ہونی چاہیے۔ چاہے وہ معاملات سیاسی ہوں یا دینی، ثقافتی ہوں، یا سماجی، ہر شعبہ زندگی میں رواداری جیسے عظیم اُصول کو نافذ ہونا چاہیے۔

رواداری قرآن مجید کی نظر میں

قرآن مجید جو کہ رب کائنات کی طرف سے انسانیت کی رُشد و ہدایت کے لیے آخری کتاب ہے جو پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ اب نہ تو کوئی اور پیغمبر آنے والا ہے اور نہ ہی کوئی اور کتاب۔ اس لیے اس کتابِ ہدایت کی تعلیمات اس قدر جامع ہیں کہ اب مزید کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید نے جہاں دیگر معاملاتِ حیات میں انسان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا ہے وہیں پر رواداری اور معاشرے میں دیگر ادیان و مذاہب اور مختلف تہذیب و ثقافت کے حامل لوگوں کے ساتھ رہنے کے رہنما اُصول بھی بیان فرمائے ہیں اور قرآن مجید میں یہ رہنما اُصول کیوں نہ بیان ہوئے ہوں آخر قرآن مجید وہ عظیم کتاب ہے جس میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید میں رواداری کے متعلق بیان کرتے ہوئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ١ؕ كَذٰلِكَ زَیَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ١۪[5]

"اور ان کو بُرا مت کہیے جن کی وہ لوگ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ ضد میں آکر محض جہالت کی وجہ سے شانِ خداوندی میں بے ادبی کے مرتکب ہوں گے اسی طرح ہم نے ہر اُمت کی نظر میں اُن کے اعمال کو مزین اور آراستہ کر دیا ہے۔ آخر کار انھیں اپنے رب کی ہی طرف لوٹنا ہے اور وہ ان کو بخوبی بتادے گا جو کچھ وہ لوگ کیا کرتے تھے۔"

قرآن مجید کی اس آیت میں بالکل واضح انداز میں اللہ پاک نے اہل ایمان کو حکم عطا فرمایا ہے کہ وہ غیر مسلموں کے خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہیں کیونکہ اس سے معاشرے میں خرابی پیدا ہو گی۔ اور پھر کفار بھی بدلے کے طور پر آپ کے سچے خدا کو گالی دیں گے۔ یعنی ہمارے سامنے ایک اُصول اور دستور آگیا کہ کسی کے جھوٹے مذہب یا دین کو بُرا بھلا نہ کہو۔ کیونکہ اس کا یقینی نتیجہ یہی ہو گا کہ وہ آپ کے سچے مذہب کو گالی دے گا۔ بالکل اسی طرح دیگر مذہبی و دینی معاملات میں ایک دوسرے کو برداشت کیا جائے، رواداری کا مظاہرہ کیا جائے تاکہ معاشرے کا امن و سکون خراب نہ ہو اور معاشرے میں بدامنی و بے سکونی کا خاتمہ کیا جاسکے۔ باقی رہی جزا و سزا کی بات تو وہ اس آیت میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ جب وہ لوگ بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں گے تو رب تعالیٰ خود ہی انھیں بتا دے گا کہ جو کچھ وہ دنیا میں کرتے رہیں ہیں اس کا انجام یہ ہے سو یہ آیتِ کریمہ رواداری کی تفہیم کا عمدہ ترین اُصول ہے۔ یعنی منشاء الٰہی یہ ہے کہ کسی کے جھوٹے خدا کو بھی بُرا نہ کہا جائے تاکہ نہ کوئی آپ کے سچے خدا کو بُرا بھلا کہے اور

نہ ہی معاشرے کا امن و سکون غارت ہو۔ اسی طرح ایک اورآیتِ کریمہ میں خدائے تعالیٰ نے دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ تعامل اور احسان کرنے کے متعلق واضح ارشاد فرمایاہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۸ . .[6]

"اللہ رب العزت آپ کو ایسے لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے سے بالکل بھی منع نہیں فرماتا جنھوں نے آپ کے ساتھ لڑائی نہیں کی اور نہ ہی آپ کو آپ کے گھروں سے نکالا۔ بے شک انصاف کرنے والوں کو بے حد پسند فرماتا ہے۔"

اس آیتِ مبارکہ کے مضمون پر غور و فکر کریں تو نہایت معانی خیز اور جامع قسم کا اُصول جس سے معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن جائے، بیان کیا گیا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں صراحت کے ساتھ یعنی بالکل واضح اور دو ٹوک انداز میں رب العالمین نے کافروں اور غیر مسلموں کے ساتھ تعامل بلکہ اُن کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے کا حکم بھی فرمایاہے۔ احسان یعنی حُسنِ سلوک کی اجازت ہے اور انصاف کرنے کا حکم ہے۔ ہمارے یہاں اسلام کے نام پر جو ایسی چیزیں رائج ہیں جن میں کفار اور غیر مسلموں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور نرم دلی برتنے کی ممانعت کی جاتی ہے اس کی نفی کر دی گئی ہے۔ کہ اللہ پاک ایسے کافروں کے ساتھ آپ کو بالکل نہیں روکتا حُسنِ سلوک کرنے سے جنھوں نے اہلِ اسلام کو ضرر نہ پہنچایا ہو۔ ایسے غیر مسلم جو امن کے ساتھ رہنے کے خواہاں ہوں تو اہلِ ایمان کو بھی اُن کے ساتھ امن و محبت اور حُسنِ سلوک سے رہنے کی اجازت ہے۔ اور پھر اللہ پاک نے مزید ارشاد فرمایا کہ انصاف بھی کرو۔ آخر میں اہل انصاف کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار فرما کر گویا بات کو ختم ہی کر ڈالا کہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ ہاں ایک بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ایسے کفار جو اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والے ہوں یا کسی بھی طرح سے مسلمانوں یا اسلام کے لیے خطرہ کا سبب ہوں ایسے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کی سرکوبی کا حکم ہے کہ ایسے فسادی لوگوں کی سرکوبی و خاتمہ کیا جائے تاکہ مستقبل میں کسی کو ایسی جرأت نہ ہو اور اہل اسلام و اسلام کے خلاف خطرات کو ختم کیا جائے۔ ہم قرآن مجید کی ایک اور آیتِ مبارکہ کو پڑھتے ہیں جس میں رب تعالیٰ نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بات چیت کا انداز سکھایا ہے یعنی پہلے حُسنِ سلوک اور احسان کی اجازت دی۔ اور پھر بعد ازاں بات چیت کا طریقہ بھی سکھلایا کہ اگر نوبت آجائے بات چیت کی تو کیسے بات کرنی ہے، قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[7]

"اے مسلمانوں جب بھی اہل کتاب سے بحث کرو بہترین انداز میں بحث کرو۔ مگر جو ظالم ہیں ان کے ساتھ نہیں۔ اور کہا کرو کہ ہم اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ ہمارا اور تمھارا رب بھی ایک ہی تو ہے اور ہم سب اس کے فرماں بردار ہیں۔"

اللہ پاک نے بالکل واضح انداز میں معاشرے میں غیر مسلموں کے ساتھ رہنے اور بات چیت حتیٰ کہ تبلیغ و تلقین کے انداز کو بھی بیان فرمادیا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"اے ایمان والو! جب بھی تم اہل کتاب کے ساتھ بات چیت کرو تو بہترین انداز میں اور خوبصورت لہجے میں اُن کے ساتھ بات چیت کرو۔"

یہاں اس آیتِ مبارکہ میں هِيَ اَحۡسَنُ اسی انداز یعنی خوبصورت دل نشین انداز ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام کی رغبت پیدا ہو۔ مزید یہ فرمایا کہ ان سے کہو کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل ہوا۔ مزید کہا گیا کہ ایسے کہو کہ ہمارا اور تمھارا پالنے والا ایک ہی تو ہے۔ ہمارا اور تمھارا رب العالمین تو ایک ہی ہے۔ ہمارا اور تمھارا ایک ہی تو خدا ہے۔ اور ہم سب اسی کے فرماں بردار اور اپنی کے اطاعت گزار بندے ہیں۔ مگر اس آیتِ مبارکہ میں بھی اللہ نے اس سارے حُسن اخلاق کا مصداق صرف ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو اہل کتاب میں سے ظالم نہ ہوں۔ اور جو ظالم ہوں وہ چاہے اہل کتاب میں سے ہوں یا مسلمانوں میں سے ہی کیوں نہ ہوں اُن کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ چند آیات تو بطور نمونہ ذکر کی گئی ہیں جن میں اللہ پاک نے معاشرے میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بات چیت اور رہن سہن اور اسی طرح ہر وہ عمل جو کسی کے مذہب کے خلاف ہو اور معاشرے میں اشتعال کا سبب ہو اس سے منع فرمادیا گیا ہے تاکہ معاشرے میں کسی قسم کا تشدد اور بد امنی نہ پھیلنے پائے اور اللہ پاک نے بار بار مختلف آیات میں اس قسم کے مضمون کو ذکر فرما کر کہ اے میرے محبوب آپ ﷺ بس تبلیغ فرمادیں پھر اگر یہ ایمان نہیں لائیں تو خود اللہ ان کو دیکھ لے گا جیسا کہ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ پاک نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو ارشاد فرمایا ہے:

فَاصۡفَحۡ عَنۡہُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾ [8]

"مجھے اپنے محبوب کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے اللہ یہ ایمان نہیں لانے والے تو آپ اُن سے درگزر فرما اور یوں کہہ دیجیے کہ بس جناب آپ کو سلام ہے۔ باقی اے میرے محبوب یہ آگے جا کر جان جائیں گے۔"

اس آیتِ مقدسہ میں اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کی گفتگو کی قسم اُٹھا کر گفتگو کا آغاز فرمایا ہے۔ اور مزید ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ایمان نہیں لانے والے تو اے میرے محبوب آپ اس بات کا غم نہ کریں اور ان سے

درگزر کریں یعنی ان کو چھوڑیں۔ بس دور سے ان کو سلام کریں تاکہ کسی قسم کا نقص امن کا خطرہ پیدا نہ ہو اور معاشرے کا سکون برباد نہ ہو۔ باقی اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو کوئی بات نہیں جب یہ میری بارگاہ میں آئیں گے جو خود ہی اپنے کیے کی سزا پالیں گے۔ اس ساری گفتگو کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات ہم سے معاشرے میں رواداری اور درگزر کے فروغ کا نہ صرف مطالبہ کرتی ہیں بلکہ اس کے عملی نفاذ کے طور طریقے اور اُصول وضوابط بھی بتاتی ہیں۔

سیرتِ مصطفیٰ ﷺ اور رواداری

رواداری جیسی عظیم اخلاقی قدر کے متعلق جہاں قرآن مجید میں نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وہیں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ بھی رواداری جیسی عظیم اخلاقی قدر سے مزین نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اپنی اُمت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رواداری کی تلقین فرمائی بلکہ عملی طور پر آپ ﷺ کے رواداری کا مظاہرہ بھی فرمایا۔ بے شمار سیرت کے واقعات اور احادیثِ طیبہ میں آپ ﷺ کی بے مثال رواداری کے واقعات کا تذکرہ ملتا ہے جو بنی نوع انسان کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ سے پہلے چونکہ عربوں میں یک جہتی کا خاصا فقدان تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل و غارت گری اور جنگ کا چھڑ جانا معمولی بات ہوا کرتی تھی۔ اور وہ معمولی سی جھڑپ بڑی بڑی اور لامتناہی جنگوں کا پیش خیمہ ثابت ہوا کرتی تھی۔ سینکڑوں جنگوں میں کئی ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے۔ اس سب کی وجہ صرف اور صرف عدم رواداری اور عدم برداشت تھی۔ کیونکہ معمولی سے معمولی بات پر بھی نوبت جھڑپ اور لڑائی جھگڑے تک جا پہنچتی تھی۔ بلکہ ایک جنگ جس کا نام عبس وزبیان ہے کہ ایک عرب سردار نے اس جنگ کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ دونوں قبائل ہی بے نام ونشان ہوگئے اور ماؤں نے اپنے بچے کھو دیے۔ اولاد کے گلے میں یتیمی کا طوق پڑ گیا۔ آنکھوں کا پانی خشک نہیں ہو رہا اور جوانوں کے لاشے بے گور و کفن کے ہیں۔[9] مگر نبی رحمت ﷺ کی آمد سے سارے عرب میں گویا بہار آگئی وہ جو کبھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور جانی دشمن تھے آپس میں ایسے شِیر و شکر ہوئے کہ رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے مثال بن گئے۔ نبی کریم ﷺ نے اس قوم کو رواداری کے مفہوم سے آشنا کروادیا جو رواداری اور عدم برداشت جیسی اخلاقی اقدار سے قطعی طور پر آشنا نہ تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام کے وقت دینی و مذہبی عصبیت اس درجہ تک بڑھ چکی تھی ہر دین و مذہب کے لوگ اپنے علاوہ دوسرے تمام مذاہب اور ادیان کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ اور نہ صرف یہ جھوٹا سمجھتے تھے بلکہ کسی دوسرے کو اپنے مذہب میں داخل بھی نہیں ہونے دیتے تھے۔ یعنی مذہب کو قبیلہ اور نسل تک ہی محدود کر دیا گیا تھا۔[10] بلکہ یہ خود غرضی اور ہٹ دھرمی آج بھی یہودیوں میں موجود ہے۔ اور ہندوستان میں بھی خال

خال آپ کو دیکھنے کو مل جائے گی۔ مگر آقا کریم ﷺ نے رواداری اور برداشت کے ذریعے سے عرب کے ایک ریگ زار کو گلِ گلزار بنادیا۔ آپ ﷺ کی ساری حیاتِ طیبہ ایسی ہی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کے رویے کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

((عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا وَلاَ صَخَّابًا فِي الأَسْوَاقِ، وَلاَ يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ.))[11]

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ نہ تو طبعی طور پر بدکلام تھے اور نہ ہی تکلفاً یا عادتاً بدزبان تھے۔ اور اسی طرح بازاروں وغیرہ میں نہ تو شور کرنے والے تھے اور نہ ہی بُرائی کا بدلہ بُرائی سے دینے والے تھے۔ مگر یہ کہ ہمیشہ درگزر فرمادیتے تھے اور کنارہ کشی و اعراض فرمانے والے تھے۔ بلکہ نرم روئی اور حُسن خلق آپ ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ اور فطرتِ مبارکہ میں اس قدر شامل ہے کہ جس بات پر نرم مزاج شخص بھی درشت روئی پر مجبور ہو جائے ایسی بات پر بھی آپ ﷺ وقار اور حُسنِ اخلاق نیز عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ آقا کریم ﷺ کے عفو و درگزر اور رواداری کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں کسی سے بھی ذاتی انتقام نہیں کیا۔ ہمیشہ دوسروں کو معاف فرمانے والے اور عفو و درگزر سے کام لینے والے اور حُسنِ اخلاق سے پیش آنے والے تھے۔ اور پھر نہ صرف نبی کریم ﷺ رواداری اور حُسنِ اخلاق کو پسند فرمانے والے تھے۔ بلکہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کو بھی رواداری اور نرم روئی بہت زیادہ پسند ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ اليَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ.))[12]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی رحمت ﷺ کے پاس ایک مرتبہ اہل یہود کا ایک چھوٹا سا گروپ آیا اور انھوں نے آتے ہی بجائے السلام علیکم کہتے انھوں نے السام علیکم کہا یعنی نعوذ باللہ آپ ﷺ پر موت واقع ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اس بات کو سمجھ گئی تو میں نے فوراً کہا کہ بدبختوں تمھارے اوپر موت بھی ہو اور لعنت بھی ہو۔ مگر نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا ذرا ٹھہرو تو۔ بے شک میرا رب ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرمانے والا ہے۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ نے سُنا نہیں جو انھوں نے کہا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں نے بھی کہہ دیا تھا اور تم پر ہو۔ یعنی اُن کی بددُعا کو انھی پر لوٹا دیا تھا۔ اس حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کی نہ صرف اپنی نرم مزاجی اور حُسن اخلاق کا ذکرِ خیر ہے بلکہ اللہ پاک کی منشاء اور

مرضی کا بھی ذکر ہے کہ اللہ رب العزت بھی نرمی اور رواداری اور دوسروں کے ساتھ برداشت اور حُسن سلوک والے معاملے کو پسند فرمانے والا ہے۔ اگر نبی رحمت ﷺ درشت رو اور سخت مزاج یا منتقم المزاج ہوتے تو دین اسلام کی تعلیمات اس قدر تیزی سے نہ پھیلتیں۔ اور لوگ آپ ﷺ کے گرد اگرد جمع نہ ہوتے۔ آج بھی اسی رواداری اور نرم مزاجی کی ضرورت ہے جو نبی کریم ﷺ کے حُسنِ اخلاق کا خاصہ تھی۔ معاشرے میں امن و سکون اور بھلائی کا حصول نرم مزاجی اور حُسنِ اخلاق مین ہی پوشیدہ ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیثِ مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نرمی اور حُسنِ خلق خیر حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی طرح جو خلق اور نرم مزاجی سے محروم ہوا وہ خیر سے محروم ہوا۔ حدیثِ مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں:

((مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ، يُحْرَمِ الْخَيْرَ.))[13]

حضرت جریر روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! جو نرمی سے محروم ہوا یوں سمجھو کہ بھلائی اور خیر سے محروم ہو گیا۔ گویا معلوم ہوا کہ نرمی و کشادہ دلی اور لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کی عطا اور فضل اور اس کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اب اسی حدیثِ مبارکہ کو مثبت انداز میں لیتے ہیں تو گویا نبی کریم ﷺ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی بھلائی اور خیر کا طالب ہے وہ دوسروں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ دوسروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے۔ لوگوں کے ساتھ خیر والا معاملہ کرے۔ بھلائی اور خندہ پیشانی سے دوسروں کے کام آنا اور دوسروں کے نظریات و خیالات کا احترام کرنا یہ سب خیر اور بھلائی حاصل کرنے کے طریقے ہیں۔ دوسری طرف جو شخص ان باتوں سے محروم ہوا یعنی لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا، درشت روئی، منتقم المزاج اور معاشرے میں موجود دیگر لوگوں کے افکار و نظریات پر نکتہ چینی جس کے سبب سے معاشرے میں بے چینی اور فساد کا اندیشہ نہ ہو تو ایسا شخص اللہ کے ہاں ناپسندیدہ اور خیر سے محروم رہنے والا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کو بھی دعا ہی عطا فرمائی جنھوں نے آپ ﷺ کے خلاف سازشیں کیں۔ آپ ﷺ کو تکالیف دیں مگر پھر بھی آپ ﷺ نے عفو و درگزر سے کام لیا، رواداری کا مظاہرہ فرمایا تاکہ لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوں۔ جنگِ احد کا میدان ہے نبی کریم ﷺ کو سخت چوٹیں آئیں۔ آپ ﷺ شدید تکلیف میں مبتلا تھے۔ تو آپ ﷺ کے اصحاب نے عرض کی کہ آپ ﷺ ان کفار کے لیے بد دعا کریں تاکہ اللہ ان کو عذاب میں مبتلا کرے مگر آفرین ہے آپ ﷺ کے حوصلہ اور صبر پر آپ ﷺ نے ان کے لیے بد دعا نہیں فرمائی بلکہ ایسا جواب عطا فرمایا کہ دنیا کے بڑے سے بڑے امن پسند اور صلح پسند شخص سے ایسے خوبصورت عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

((فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللهَ تَعَالَى لَمْ يَبْعَثْنِي طَعَّانًا وَلَا لَعَّانًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي دَاعِيَةً وَرَحْمَةً، اللهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ.))[14]

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے بد دعا کا تقاضا کیا تو آپ ﷺ نے بجائے اس کے بد دعا فرماتے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو! میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو اللہ کی طرف بلانے والا اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ان دشمنوں کے لیے دعا فرمائی جو آپ ﷺ کی جان لینے کے درپے تھے اور دعا دیکھیے کتنی خوبصورت کہ اے میرے اللہ! ان لوگوں کو ہدایت دے کیونکہ یہ مجھے نہیں جانتے۔ اتنی تکالیف اُٹھانے کے بعد بھی نبی رحمت ﷺ نے ان کے لیے ہدایت ہی کی دعا فرمائی۔ ان کی بہتری اور خوشحالی کی دعا ہی مانگی۔ جو آپ ﷺ کی جان لینا چاہتے تھے اُن کی سلامتی کی دُعا مانگی۔ یہ اُسوۂ حسنہ میرے پیغمبر رحمت ﷺ کا ہی خاصا ہے کہ جانی دشمنوں کو بھی دُعائیں دیتے ہیں اور اُن کی سلامتی کی اور ہدایت کی دُعائیں مانگتے ہیں۔ اور پھر نہ صرف یہ کہ اپنی ذاتِ مبارکہ کے حوالے سے رواداری اور حُسنِ سلوک سے کام لیتے تھے بلکہ آپ ﷺ دینی و مذہبی معاملات میں بھی رواداری سے کام لینے والے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ ایک اعرابی آیا اور مسجدِ نبوی ﷺ کے صحن میں بیٹھ کر پاخانہ کرنے لگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسے ڈانٹا مگر نبی رحمت ﷺ نے انھیں ڈانٹنے سے منع کر دیا۔ "صحیح بخاری" میں اس واقعہ کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے:

((سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ المَسْجِدِ، فَزَجَرَهُ النَّاسُ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ فَأُهْرِيقَ عَلَيْهِ.)) [15]

"حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک اعرابی آیا اور اس نے مسجدِ نبوی ﷺ کے کونے میں بیٹھ کر بول و براز کرنا شروع کر دیا۔ لوگ اُس کو ڈانٹنے کے لیے آگے بڑھے مگر نبی رحمت ﷺ نے انھیں آگے بڑھنے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ شخص جب بول کر چکا تو نبی رحمت ﷺ نے پانی کا ایک ڈول لانے کا حکم فرمایا۔ اور پھر اس ڈول کو اس پر بہا دیا گیا۔ اس حدیثِ مبارکہ میں نبی رحمت ﷺ کی رواداری اور حُسنِ اخلاق کا اندازہ کیجیے کہ اعرابی لوگ ایک تو عموماً سخت مزاج اور جاہل ہوتے ہیں تو اس نے مسجد میں آکر بول و براز کرنا شروع کر دیا۔ اب مسجد تو ہم مسلمانوں کے نزدیک نہایت حُرمت والی جگہ ہوتی ہے بالکل اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسے جھڑکنا چاہا مگر نبی کریم ﷺ نے انھیں جھڑکنے سے منع فرما دیا۔ اب آج کے دور کا حال دیکھ لیں کہ اگر آج کوئی شخص ایسا عمل کرتا تو لوگ اس کی جان لے لیتے۔ اور دین کے نام پر وہ دنگا فساد اور انتشار پھیلاتے کہ کہیں بھی ایسے شخص کے لیے جائے امان نہ ہوتی مگر نبی رحمت ﷺ نے لوگوں کو اُسے جھڑکنے سے بھی منع فرما دیا۔ ہمیں بھی تعلیماتِ نبوی ﷺ اور اُسوۂ رسول ﷺ کے اس بھولے ہوئے سبق کو دُہرانا ہو گا تاکہ پھر سے اسلام کا اور مسلمانوں کا وہ کھویا ہوا وقار بحال ہو جائے جو کبھی ان کو

زمانے میں حاصل تھا۔ اور دینِ اسلام کے پنپنے کا طریقۂ کار بھی یہی ہے کہ ہم معاشرے میں موجود لوگوں کے ساتھ رواداری سے پیش آئیں اور دوسروں کے نقطۂ نظر اور اُن کے نظریات کا احترام کریں تاکہ معاشرے میں بدامنی اور انتشار نہ پھیلے۔

میثاقِ مدینہ رواداری کا شاہکار

مکہ مکرمہ کے کفار کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ پاک نے نبی محترم ﷺ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما گئے۔ مدینہ منورہ میں انصار کے ساتھ ساتھ کچھ یہودی قبیلے بھی آباد تھے۔ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس اسلامی ریاست کے قیام کے ضمن میں نبی کریم ﷺ نے تمام قبائل کے مابین ایک معاہدہ تحریر فرمایا جو کہ میثاقِ مدینہ کہلایا۔ اس معاہدے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ معاہدہ فقط مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ اس میں یہودی بھی شامل تھے۔ اس معاہدے کی جزئیات اور اس معاہدے کی شقیں توجہ طلب ہیں۔

عصرِ حاضر میں مسلمانوں اور دیگر مذاہبِ عالم کے درمیان جو مسائل درپیش ہیں ان میں سے بہت سارے مسائل کا حل معاہدہ مدینہ منورہ جسے میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں ان مسائل کا حل موجود ہے۔ یہ وہ اسلام کا اصل اور روشن چہرہ ہے جس پر مسلک پرستی اور اندھی تقلید کا نقاب پڑ چکا ہے وگرنہ یوں دُنیا میں اسلام یوں بے یار و مددگار نہ ہوتا۔ اگر میثاقِ مدینہ کے تناظر میں سیرتِ مصطفوی ﷺ کا مطالعہ کیا جائے نبی کریم ﷺ نے تمام طبقات کو ایک سیاسی وحدت میں پرو کر ایک مضبوط اور مستحکم ریاست کی بنیاد رکھی۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے فرمایا:

((انهم امة واحدة من دون الناس.))[16]

"دنیا کے دیگر تمام لوگوں کے مقابلے میں ان کی علیحدہ ایک سیاسی و قومی وحدت ہو گی۔"

یعنی نبی رحمت ﷺ نے نہ صرف مختلف قبائل کو ایک وحدت میں پرو دیا بلکہ آپ ﷺ نے اسلام اور یہودیت کو بھی سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ مگر مسلمانوں کے علیحدہ مذہبی و سیاسی تشخص کو بھی باقی رکھا۔ جیسا کہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے:

((و ان المؤمنين بعضهم موالي بعض دون الناس.))[17]

"اور بے شک اہل ایمان باقی لوگوں کے مقابل باہم بھائی بھائی ہیں۔"

نبی رحمت ﷺ نے میثاقِ مدینہ کا جو دستور ترتیب دیا تھا اس میں ایک شق کے الفاظ یہ ہیں کہ اہل ایمان کے مقابلے میں جو لوگ ہیں یعنی دیگر اقوام و ملل کے لوگ اہلِ ایمان کے بھائی ہیں۔ کیونکہ ایک ہی ریاست ہے۔ ایک ہی

معاشرے کا حصہ ہیں۔ تو آپس میں بالکل امن اور بھائی چارے کے تحت رہیں گے اس قدر واضح اور صریح اُصول کے بعد تو اب کسی قسم کے شک یا تردد کی گنجائش ہی نہیں بچتی کہ کوئی اسلام کے خوبصورت چہرے پر دہشت گردی یا انتہا پسندی کا بدنما داغ لگائے۔ اسلام کی تعلیمات نہایت وضاحت اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے فرامین اس بات پر دال ہیں کہ اسلام اپنے ماتحت ریاست میں نہ صرف غیر مسلموں اور دیگر اقوام کے لوگوں کے حقوق کے تحفظ کی بات کرتا ہے۔ بلکہ انھیں عام رعایا کی طرح اپنی زندگی کو خود مختار طریقے سے گزارنے اور مکمل طور پر مذہبی آزادی دیتا ہے مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ برابری اور مساوات کے اُصول و ضوابط تبھی مؤثر ہوں گے جب وہ ریاست کے دستور کا وفادار ہو گا۔ نبی رحمت ﷺ نے میثاقِ مدینہ کے تحت جہاں مسلمانوں اور یہودیوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرویا وہیں پر الگ الگ مذہبی تشخص کو بھی برقرار رکھا۔ جیسا کہ میثاقِ مدینہ کی اس شق میں ذکر کیا گیا ہے:

((ان يهود بني عوف امة مع المؤمنين لليهود دينهم و للسلمين دينهم مواليهم و أنفسهم الا من ظلم أو اثم فإنه لا يوتغ الا نفسه و أهل بيته.))[18]

میثاقِ مدینہ کی اس شق میں تو بالکل وضاحت کے ساتھ مکمل طور پر ایک معاشرے میں مختلف مذاہب کے لوگوں کے رہنے کے طریقۂ کار کو بیان کر دیا ہے۔ یہ شق بتاتی ہے کہ قبیلہ بنو عوف کے یہودی اہلِ ایمان کے ساتھ سیاسی طور پر وحدت شمار کیے جائیں گے۔

مگر لليهود دينهم کہہ کر مذہبی تشخص جدا کر دیا کہ اگرچہ سیاسی طور پر ایک ہی ہوں مگر دین اپنا اپنا ہو گا یعنی یہودیوں کے لیے اُن کا دین ہو گا۔ مسلمان اُن کو بزورِ طاقت دین بدلنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ یا وہ دینِ اسلام پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہوں گے۔ اسی طرح و للمسلمين دينهم فرما کر مسلمانوں کے جداگانہ مذہبی تشخص کو بھی واضح کر دیا کہ اس ریاست میں سیاسی طور پر وحدت ہو گی۔ تمام کے تمام ادیان و قبائل سیاسی طور پر ایک ہوں گے۔ ایک کا دشمن سب کا دشمن ہو گا۔ ایک کا دوست سب کا دوست ہو گا مگر دین اپنا اپنا اور قانون ریاست کا ہو گا۔ اسی عبارت کے آخر میں ایک اور آفاقی اُصول کو بھی بیان فرما دیا کہ چاہے وہ آزاد لوگ ہوں یا غلام سب کے لیے قانون یہی ہو گا۔ ہاں اگر کسی نے ظلم کیا تو اس کے ظلم کے بدلے اس کے پورے قبیلے یا اس کے دیگر ہم مذہب لوگوں کو سزاوار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ بلکہ جو ظلم کرے گا یا جو بھی جرم کا مرتکب ہو گا وہ فقط اپنے نفس پر ہی ظلم کرنے والا ہو گا یا اپنے اہل خانہ جو اس کے معاون و مددگار ہوں گے۔ باقی اس کے علاوہ کسی کو ہلاکت میں مبتلا نہیں کر سکے گا۔ اس شق کے ذریعے سے ایک طرف تو نبی کریم ﷺ نے ان تمام قبائلی لڑائیوں کا راستہ روک دیا جو معمولی سی بات پر دو شخصوں کے درمیان ہونے والی تکرار دو قبائل کے مابین جنگ میں بدل جاتی تھی۔ مزید یہ کہ اگر کوئی مذہبی طور پر کسی شرارت کا مرتکب ہو تو اس کے جرم کی پاداش میں اس کے دیگر ہم مذہبوں کو نشانہ نہ بنایا جا سکے۔ اس فساد کا راستہ بھی روک دیا۔ آج ہم دیگر

مذاہب کے لیے مذہبی آزادی کی بات کرتے ہیں یا تہذیبی و ثقافتی آزادی کی بات کرتے ہیں مگر نبی کریم ﷺ نے آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی ریاست مدینہ میں بسنے والے دیگر غیر مسلموں کو نہ صرف مذہبی آزادی بلکہ رہن سہن اور معیشت و معاشرت کی بھی مکمل آزادی عطا فرمائی۔ یہی رواداری ہے۔ یہی حُسنِ سلوک ہے جو اسلام کا اصل چہرہ ہے بلکہ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیثِ مبارکہ میں ہے:

((عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُلْتُ: وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ.))[19]

"حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ کے دورِ مبارک میں میری ماں میرے پاس تشریف لائیں جب کہ وہ حالتِ شرک میں تھیں۔ میں نے نبی رحمت ﷺ سے اس بابت استفسار کیا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہیں تو کیا میں اپنی والدہ سے صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں بالکل تم اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔"

اب اندازہ لگائیے کہ میثاقِ مدینہ میں نبی کریم ﷺ نے بالکل واضح انداز میں ایک اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو جینے کے وہ تمام حقوق عطا کیے جو آج کی مہذب دنیا اکیسویں صدی میں بھی نافذ نہیں کر پائی۔ پھر اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ بہت ساری ایسی احادیثِ مبارکہ اس بات پر شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اچھے رویے کی بھی تلقین فرمائی۔ یہی وجہ تھی کہ جو ایک وقت میں آپ ﷺ کے جانی دشمن تھے وہ کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ کی غلامی میں آگئے اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ آپ ﷺ کا حُسنِ سلوک اور رواداری کی وجہ سے ہی اسلام نہایت قلیل عرصہ میں جزیرہ عرب میں پھیل گیا اور لوگ جوق در جوق اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔

معاشرے میں رواداری کی ناگزیریت

کسی بھی معاشرے کی ترقی و خوشحالی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں بسنے والے افراد اپنی تمام تر صلاحیتوں اور وسائل کو آزادی اور بغیر کسی رکاوٹ کے استعمال میں لا سکیں۔ جب معاشرے کے سبھی افراد مکمل آزادی اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں گے تو معاشرہ تیزی کے ساتھ ترقی کے راستے پر گامزن ہو گا جس کے نتیجے میں معاشرے میں استحکام اور مضبوطی آئے گی۔ یوں معاشرہ مضبوط بقا کا حامل ہو گا۔ اس کے برعکس کسی معاشرے کے لوگوں کو آزادی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کا موقع نہ ملے یا چند افراد کو موقع ملے اور چند افراد کو موقع نہ ملے تو معاشرے میں استحکام نہیں آتا۔ اور بجائے اس کے کہ معاشرہ ترقی کے راستے پر گامزن ہوتا اُلٹا وہ تنزلی

کے راستے پر چل نکلتا ہے اور بالآخر تباہی و بربادی ایسے معاشرے کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ اسی اُصول کو مد نظر رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ریاستِ مدینہ کے آغاز سے ہی اس ریاست کے مکینوں کو مکمل طور پر مذہبی و معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں کی اجازت دی تاکہ معاشرے کا ہر فرد ہی معاشرے کے استحکام اور ترقی کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ اور پھر دُنیا نے دیکھا کہ مدینہ کی کمزور سی مگر طاقت ور اُصولوں پر قائم ریاست کچھ ہی عرصہ میں اس قدر مستحکم ہوئی کہ چند ہی سالوں میں دُنیا کی سپر پاورز کو مقابلے کے لیے للکارا اور نہ صرف للکارا بلکہ انھیں آئندہ چند سالوں میں ایسی شکست فاش دی کہ اُن کا اپنا وجود تک بکھر کر رہ گیا۔ اسی لیے کسی بھی معاشرے کی بقا اور استحکام کے لیے رواداری اور برداشت جیسا عنصر جزو لاینفک ہے۔ ایک اسلامی ریاست اپنی حدود میں بسنے والے تمام مذاہب اور قوموں کے لوگوں کے جان و مال کے تحفظ کی ضامن ہوتی ہے اور یہی ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات بھی ہیں۔ بدقسمتی سے آج ہمارا معاشرہ عدم برداشت اور ہٹ دھرمی و سخت دلی جیسے عفریت کا شکار ہے جس میں مذہب کے نام پر لوگوں کی گردنوں کو کاٹا جارہا ہے۔ جنت کے حصول کی خاطر ایک مسلمان نہ صرف کافر کا خون بہارہا ہے بلکہ اپنے ہی جیسے مسلمان بھائی بھی اس کے دست شقاوت سے محفوظ نہیں ہیں۔ ہٹ دھرمی اور تنگ نظری اس قدر معاشرے کی لوگوں میں سرایت کر چکی ہے کہ ذرا سا اختلافِ رائے ہوا نہیں اور مخاطب تمام قسم کے آداب و اخلاق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بدتہذیبی پر اُتر آتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان تو مسلمان رہے اسلام تو ہمیں غیر مسلموں کے حقوق کی پاسداری کا حکم دیتا ہے۔ اور غیر مسلم کو بلاوجہ نقصان پہنچانے والا جنت تو دور جنت کی خوشبو تک نہ سونگھ پائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا.))[20]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی معاہد یعنی ایسا شہری جو غیر مسلم ہو، کو قتل کیا تو وہ قاتل جنت تو بہت دور کی بات ہے وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا۔ نبی رحمت ﷺ نے مزید فرمایا کہ جنت کی خوشبو تو جنت سے چالیس سال کی مسافت باقی رہتی ہوتی ہے اور جنت کی خوشبو محسوس ہونے لگ جاتی ہے یعنی یہ غیر مسلم شہری کو ناجائز طور پر قتل کرنے کی سزا ہے کہ وہ جنت تو کیا جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہو جائے گا۔ یعنی اس کا ٹھکانہ لامحالہ جہنم میں ہو گا بلکہ ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے غیر مسلم شہریوں کے اموال پر ناجائز قبضہ کو بھی حرام قرار دے دیا۔ جیسا کہ امام طبرانی روایت فرماتے ہیں:

((عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ، أَلَا لَا يَقُولُ رَجُلٌ مُتَّكِئٌ عَلَى أَرِيكَتِهِ مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللهِ مِنْ حَلَالٍ أَحْلَلْنَاهُ، وَمَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ، أَلَا وَإِنِّي أُحَرِّمُ عَلَيْكُمْ أَمْوَالَ الْمُعَاهَدِينَ.))[21]

"حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا خبر دار میں تمھارے لیے ذمی یعنی غیر مسلم اقلیتوں کے اموال پر تمھارے ناجائز قبضہ کو حرام قرار دیتا ہوں۔"

سو کسی بھی معاشرہ کی بقا اور دوام کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرہ کے تمام افراد کو بلا تفریق رہنے کے لیے تمام وہ بنیادی حقوق دیے جائیں جو کہ بحیثیت انسان اسے حاصل ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ حُسنِ سلوک اور رواداری کا التزام کیا جائے تا کہ ہمارے معاشرہ میں امن اور سکون کو فروغ حاصل ہو۔

نبی کریم ﷺ کے حُسنِ سلوک پر اغیار کی گواہی

نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ اور رواداری کے نہ صرف اپنے معترف ہیں بلکہ اغیار بھی مانتے ہیں۔ ایک مغربی مصنف اپنی کتاب میں پہلے اس ماحول کی منظر کشی کی جس ماحول میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی جس کا ترجمہ ظفر علی شاہ صاحب نے اپنے الفاظ میں کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے کا جو ماحول تھا وہ اس قدر خراب تھا کہ یہ دنیا جو چار ہزار سال کی مسافت طے کر چکی تھی لگ یوں رہا تھا کہ وہ اپنے اختتام کے قریب ہے۔ نسلِ انسانی بربریت اور وحشت کی ایسی داستانیں رقم کر رہی تھی کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا نظر آتا تھا کوئی دستور یا ضابطہ نہ تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ عیسائیت نے بھی ایسے قوانین اور اُصول وضوابط کو لاگو کیا تھا جو نظم وضبط اور وحدت پیدا کرنے کی بجائے انتشار و ہلاکت کا سبب بن رہے تھے۔ غرضیکہ یہ ایک ایسا وقت تھا جب ہر طرف ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا ایسے وقت میں آپ ﷺ کی بعثت خزاں کے موسم میں بہار کا جھونکا عادت ہوئی۔ آپ ﷺ نے ایسے قوانین اور دستور متعارف کروائے جنھوں نے دُنیا کو پھر سے امن عطا کر دیا۔

"یہ امر موجب حیرت و استعجاب ہے کہ اس قسم کی ثقافت عرب کی سرزمین میں پیدا ہوئی جب اس کی اشد ضرورت تھی۔"[22]

آج پھر سے دُنیا کو اسی بھولے ہوئے سبق کو دہرانے کی ضرورت ہے جسے محمد عربی ﷺ نے سکھلایا تھا تا کہ پھر سے دُنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن سکے۔ اور ظلم و جبر کی یہ کالی رات چھٹ سکے۔ اور ایسا سویرا طلوع ہو جس کی روشنی میں سب کو زندگی گزارنے کا بنیادی حق مکمل آزادی کے ساتھ میسر ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں اس امر کی وضاحت کرنا از حد ضروری ہے کہ دوسروں کے ساتھ حُسنِ سلوک، رواداری اور برداشت کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اپنے عقیدے اور نظریے سے صرفِ نظر کر لیا جائے اور دوسروں کی خوشنودی و رضا کی طلب کی خاطر اپنی غیرتِ ایمانی کو ختم کر لیا جائے۔ رواداری کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے عقیدے یا

نظریے کے ساتھ معاشرے میں قبول کر لیا جائے۔ تاکہ اپنے عقیدے یا نظریے کے خلاف کسی دوسرے کی ہرزہ سرائی اور تخریبی کارروائیوں سے صرفِ نظر کیا جائے چنانچہ دینِ اسلام کا تقدس اور نبی رحمت ﷺ کی عزت و ناموس کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت رواداری نہیں کہلائے گی۔ جہاں بھی اسلام مخالف پروپیگنڈا یا نبی محترم ﷺ کی عزت و ناموس پر حملے کا معاملہ ہو وہاں پر بلاتردد اس کے تدارک کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں۔

معاشرے میں رواداری کے فروغ کی چند تجاویز

رواداری کسی بھی مستحکم معاشرے کا لازمی جزو ہے۔ اس کے بغیر معاشرے کی تمام اکائیوں کا ساتھ رہنا ممکن ہی نہیں۔ اور جب تک معاشرے کی تمام اکائیاں یکجا نہیں ہوں گی۔ معاشرے میں نہ صرف استحکام کا آنا ممکن نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ معاشرہ بطور معاشرہ اپنا وجود بھی ثابت نہ رکھ سکے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں رواداری اور برداشت جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنا وجود رکھتی ہوں۔ اس سلسلہ میں چند تجاویز جو کہ معاشرے میں رواداری اور برداشت کو فروغ دینے میں مثبت کردار ادا کر سکتی ہیں وہ پیش کی جا رہی ہیں۔

بین المسالک و بین المذاہب مشترکہ لائحۂ عمل

ہمارا معاشرہ جہاں بہت سارے فرقوں میں بٹا ہوا ہے وہیں پر اس معاشرے میں غیر مسلم بھی رہائش پذیر ہیں۔ اس قدر طبقاتی و مذہبی تفریق والے معاشرے میں اگرچہ رواداری پیدا کرنا خاصا مشکل کام ہے مگر ناممکن نہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ بین المسالک ایسا مشترکہ لائحۂ عمل تشکیل دیا جائے جس پر تمام مسالک کے علماء متفق ہوں اسی طرح بین المذاہب بھی ایسا مشترکہ لائحۂ عمل تشکیل دیا جائے جس پر تمام مذاہب کے لوگ عمل پیرا ہوں۔ یعنی ایسے آفاقی اخلاقی اُصول جو ہر مذہب و مسلک کا حصہ ہیں ان پر عمل درآمد کے لیے مشترکہ فریم ورک بنایا جائے۔

ذرائع ابلاغ کا مثبت کردار

مشترکہ لائحۂ عمل کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کو بھی رواداری کے فروغ میں بروئے کار لایا جائے کیونکہ ذرائع ابلاغ ذہنِ انسانی پر گہرے اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ کو بھی رواداری کے لیے بروئے کار لایا جائے۔

دوسروں کے نقطۂ نظر کا احترام

رواداری کے فروغ کے لیے جہاں پر دیگر تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں وہیں پر معاشرے کے ہر فرد کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے نقطۂ نظر کا احترام کرے۔ دوسروں کی بات اور نقطۂ نظر کو وسیع القلبی سے سنے اور اختلاف ہونے کی صورت میں دلائل کے ساتھ بات کرے اور تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

بے ہودہ اور فضول گوئی سے پرہیز

رواداری اور برداشت کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔ حصول یا وہ گوئی اور بے ہودگی سے اجتناب کیا جائے کیونکہ جب غیر مہذبانہ اور بے ہودہ طرزِ گفتگو اختیار کیا جاتا ہے تو پھر لڑائی جھگڑے اور فساد کی نوبت آجاتی ہے۔

قانون کی بالادستی

جب کوئی شخص معاشرے میں کسی کو ناجائز نقصان پہنچائے یا کسی کی جان و مال کے ضیاع کا سبب بنے تو ایسے لوگوں کے ساتھ ریاست کو چاہیے کہ آہنی ہاتھوں سے نمٹے۔ تاکہ ایسے غیر اخلاقی رویوں کی حوصلہ شکنی کی جاسکے۔

خلاصۂ بحث

رواداری حُسنِ اخلاق کی اعلیٰ اقدار میں سے ایک قدر ہے جو معاشرے کی بقا اور اُس کے استحکام کے ضروری ہے۔ رواداری کے بغیر معاشرے سے امن و سکون ناپید ہو جاتا ہے۔ دُنیا کے دیگر مذاہب کی طرح اسلام بھی اپنے پیروکاروں سے رواداری کا تقاضا کرتا ہے۔ تاکہ اسلامی معاشرے میں امن و سکون برقرار رہے۔ اور اسلامی معاشرہ عروج اور ترقی حاصل کرسکے۔ نبی کریم ﷺ کی ساری حیاتِ طیبہ رواداری کی عمدہ اور روشن مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف فرمادیا۔ آج پھر سے ہمیں سیرتِ طیبہ سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے پھر جیسے رواداری کے اس بھولے ہوئے سبق کو یاد کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پھر سے ایسی روشن صبح طلوع کو جو ہماری زندگیوں کو منوا کردے۔

حوالہ جات

1 القرآن، الکافرون ۱۰۹:۶۔

2 www.rekhtadictionary.com

3 www.jasarat.com

4 مجلّة قضايا إسلامية، التسامح و منابع الاتسامح، شمارہ نمبر ۲۸، ص ۱۲۔

5 القرآن، الانعام ۶:۱۱۸۔

6 القرآن، الممتحنہ ۶۰:۸۔

7 القرآن، العنکبوت ۲۹:۴۶۔

8 القرآن، الزخرف ۴۳:۸۹۔

9 ابوالحسن ندوی، سید، "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر"، (کراچی: مجلس نشریاتِ اسلام، س ن)، ص:۴۷۔

10 حمید اللہ، ڈاکٹر، "رسول اللہ کی سیاسی زندگی"، (کراچی: دار الاشاعت، ۱۹۸۷ء)، ص:۳۳۰۔

11 محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، سنن الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في خلق النبي صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ٢٠١٦.

12 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب الأدب، با الرفق في الأمر كله، رقم الحديث: ٦٠٢٤.

13 مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري، صحيح المسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، رقم الحديث: ٢٥٩٢.

14 قاضي عياض مالكي، الشفا بتعريف حقوق المصطفىٰ، (بيروت: دار الفكر، ١٤٠٩ھ)، ج: ١،ص:١٠٥.

15 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب: يهريق الماء علي البول، رقم الحديث: ٢٢١.

16 ابو محمد عبدالملك بن هشام، السيرة النبويه لابن هشام، (بيروت: دار الصحابه، ١٩٩٥م)، ج: ٣، ص: ٣٢.

17 ابو محمد عبدالملك بن هشام، السيرة النبويه لابن هشام، ص: ٣٣.

18 ابو محمد عبدالملك بن هشام، السيرة النبويه لابن هشام، ص: ٣٣.

19 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب الهبة و فضلها والتحريض عليها، باب الهدية المشتركين، رقم الحديث: ٢٦٢٠.

20 محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري، صحيح البخاري، كتاب الجزية، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، رقم الحديث: ٣١٦٦.

21 سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني، المعجم الكبير، باب الخاء، المقدام بن معدي كرب، عن خالد بن الوليد، رقم الحديث: ٣٨٢٨.

22 ظفر علی شاہ، "محسن انسانیت" (اسلام آباد: دعوہ اکیڈمی، س ن)، ص:۶۔